حلیہ | ابومعشر کا رنگ گندم گوں اور جسم فربہ تھا۔

بغداد آمد اور وفات | خلیفہ مہدی ان کے علم وفضل کا بڑا قدر داں تھا۔ ان سے اس کی انسیت کی ایک خاص وجہ یہ بھی کہ اس کی ماں جوام موسیٰ بنت منصور کے نام سے مشہور ہے وہ اس کے غلام رہ چکے تھے۔ ایک مرتبہ حج کے موقعہ پر دونوں کا ساتھ ہو گیا۔ مہدی نے ان کی قدر افزائی کا حکم دیا کہ وہ شاہی خیمہ میں بلائے جائیں۔ اور اس قافلہ کے لوگ ان سے تفقہ حاصل کریں۔ پھر مہدی نے ان کی خدمت میں ایک ہزار دینار کا تحفہ پیش کیا۔ پھر اس کے بعد وہ ان کو سنہ ۱۶۰ھ میں مدینہ سے بغداد ہمراہ لے گئے اور تعلیم کی خدمت ان کے سپرد کی۔ اس کے بعد انھوں نے یہیں مستقل قیام اختیار کر لیا حتیٰ کہ رمضان سنہ ۱۷۰ھ میں وہیں راہی عالم جاوداں ہوئے[1] خلیفہ وقت ہارون الرشید نے جو اسی سال تخت نشین ہوا تھا۔ نماز جنازہ پڑھائی۔ بغداد کے مقبرۂ کبیر میں مدفون ہوئے[2]

اولاد | جسمانی یادگار کے طور پر صرف ایک صاحبزادے محمد بن ابی معشر کو چھوڑا۔ اپنے والد کی طرح وہ بھی صاحب علم وفضل تھے۔ مشہور محدث ابو ذئب کے محبوب تلامذہ میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ ترمذی وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے۔ ابومعشر کی کتاب المغازی ان کی ہی روایت کی ہوئی ہے۔ ان کی ثقاہت پر تمام ائمہ متفق ہیں۔ ۹۹ سال کی عمر میں سنہ ۲۴۴ھ میں وفات پائی۔

تصنیف | ابومعشر صاحب تصانیف بھی تھے۔ ابن ندیم نے "و لہ من الکتب" لکھا ہے۔ جس سے قیاس ہوتا ہے کہ ان کی تصنیفات ایک سے زائد ہیں لیکن ذکر صرف کتاب المغازی نام کی ایک ہی کتاب کا ملتا ہے۔

خلیلی کا بیان ہے کہ "و تاریخہ احتج بہ الائمۃ" یعنی ائمہ ان کی تاریخ سے استدلال

---

[1] شذرات الذہب ج ۱ ص   [2] الانساب سمعانی ورق ۳۱۴ طبع قدیم۔

کرتے ہیں۔ اس بیان سے بظاہر ایسا خیال ہوتا ہے کہ فن تاریخ میں بھی ان کی کوئی تصنیف ہے لیکن دراصل یہ ایک ہی کتاب ہے جس کا نام خلیلی تاریخ اور ابن ندیم کتاب المغازی ذکر کرتے ہیں متقدمین کے نزدیک مغازی، سیر اور تاریخ ایک فن سمجھے جاتے تھے۔ ابن ندیم لکھتے ہیں۔

عارف بالاحداث والسیر واحد المحدثین وله من الکتب، کتاب المغازی[1]

وہ تاریخ و سیر کے عارف اور محدثین میں سے ایک تھے۔ ان کی کچھ کتابیں ہیں جن میں سے ایک کتاب المغازی ہے۔

علامہ شبلی نعمانی نے مقدمہ سیرت میں ابومعشر کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

"ابومعشر نجیح المدنی (سنہ ۱۷۰ھ) ہشام بن عروہ کے شاگرد تھے۔ ثوری اور واقدی نے ان سے روایت کی ہے۔ گو محدثین نے روایت حدیث میں ان کی تضعیف کی ہے۔ لیکن سیرت و مغازی میں ان کی جلالت شان کا اعتراف کیا ہے۔ امام احمد حنبل کہتے ہیں کہ وہ اس فن میں صاحب نظر ہیں۔ ابن ندیم نے ان کی کتاب المغازی کا ذکر کیا ہے۔ کتب سیرت میں ان کا نام کثرت سے آیا ہے"[2]

---

[1] الفہرست لابن ندیم ص ۱۳۶ [2] مقدمہ سیرت النبی ج ۱ ص ۲۲

سلسلہ کے لیے دیکھیے برہان ماہ جولائی ۱۹۷۱ء

لطائفِ اکبری ایک نادر ملفوظ

خواجہ علی اکبر مودودی (۱۲۰۹ھ) کے احوال و اقوال

(۶)

الحاج مفتی حافظ محمد رضا انصاری فرنگی محلی لکچرر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

صاحبِ ملفوظ خواجہ علی اکبر مودودی، کا عہد، اٹھارہویں صدی عیسوی کا عین نصف آخر ہے (وفات ۱۷۹۴ء ۱۲۰۹ھ) ان کی عمر کی تعیین کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ قیاسات کی رو سے تخمیناً ساٹھ سال قرار دی جا سکتی ہے کہ طبعی عمر عموماً اس زمانے میں یہی تھی، ان کی جوانی کی آشفتگی، بیعت اور سفر وغیرہ کے مراحل (۱۷۵۰ء ۱۱۶۳ھ) میں تمام ہو چکے تھے اور اس سن میں وہ الہ آباد میں طرح اقامت ڈال چکے تھے۔ ان سب امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کی پیدائش لگ بھگ (۱۷۳۰ء ۱۱۴۳ھ) میں مانی جا سکتی ہے، یہ وہ زمانہ ہے جب علمی فضا میں درسِ نظامی، کی گونج پوری قوت سے کارفرما تھی، بانیِ درسِ نظامی ملا نظام الدین محمد فرنگی محلی (وفات ۱۷۴۸ء ۱۱۶۱ھ) فرنگی محل میں درس و تدریس کر رہے تھے۔ دہلی میں شاہ ولی اللہ کی درس گاہ بھی کھل چکی تھی اور علمی تاریخ کے محققین کے خیال کے مطابق شاہ صاحب درسِ حدیث کی اس داغ بیل پر جسے شیخ عبد الحق محدث دہلوی ایک صدی قبل ڈال چکے تھے۔ تعمیر شروع کر چکے تھے۔

خواجہ مودودی نے اگرچہ کسی مدرسہ، یا درس گاہ میں اور کسی معقولی یا منقولی عالم کی خدمت میں تعلیم حاصل نہیں کی، — ان کا علم اکتسابی نہیں، محض وہبی اور غیبی تھا، جیسا کہ ملفوظات کے اقتباسات سے ظاہر ہے — تاہم جس علمی ماحول میں انھوں نے آنکھ کھولی، اور معاشرے کے جن علمی افراد سے

ان کا سابقہ رہا وہ سب معقولات، یا بالفاظِ دیگر، درس نظامی کے ساختہ و پرداختہ تھے جبکہ درس نظامی کے .... بارے میں یہ برابر کہا جاتا رہا ہے کہ حدیث کے درس سے اس کا کوئی لگاؤ نہیں ہے ۔ لطائف اکبری کے اندراجات سے کم از کم اتنا ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ اسی درس نظامی کی گرفت میں رہنے والا ماحول حدیث کے علم سے بے خبر نہ تھا۔ یہاں تک کہ وہ لوگ تک جو علمی زندگی بسر نہیں کر رہے تھے کتب حدیث خاص کر صحیح بخاری اپنے مطالعے میں رکھتے تھے اور کتبِ احادیث کی اہمیت پوری طرح جانتے تھے۔

ذکر جہری اور صحیح بخاری | جامع ملفوظ خواجہ حسن مودودی ایک صحبت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ...... نماز مغرب سے فراغت کے بعد، جب پھر صحبت منعقد ہوئی تو ذکر اس کا آگیا کہ صاحب ملفوظ خواجہ علی اکبر مودودی فرض نمازوں کے ذکر جہری کا کرتے ہیں، خواجہ مودودی نے فرمایا کہ بعض علما اور اہلِ طریقت کی رائے ہے کہ نماز کے بعد ذکر جہری بدعت ہے، اور بعض تو یہاں تک کہتے ہیں کہ مستلزم کفر ہے۔ حالانکہ ذکر جہری کے جواز کے بارے میں صحیح بخاری میں کئی احادیث موجود ہیں، خواجہ مودودی نے اس کے بعد صحیح بخاری منگائی اور ایک حدیث اس سلسلہ کی نکال کر فقیر (جامع ملفوظ خواجہ حسن) کو دکھائی۔ یہ حدیث صحیح بخاری کی کتاب الصلوٰۃ میں نماز کے بعد ذکر کے بیان میں ہے راوی اس کے حضرت ابن عباسؓ ہیں وہ فرماتے ہیں :-

ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبۃ کان علی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال کنت اعلم اذا انصرفوا بذلک اذا سمعتہ ۔	فرض نمازوں کے بعد بلند آواز سے اس وقت ذکر کرنا جب نماز سے لوگ پلٹنے لگیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں رائج تھا اور جب میں بلند آواز سے (لوگوں کے لوٹتے ہوئے) ذکر سنتا تھا تو جان لیتا تھا کہ نماز ہو گئی ہے

صحیح بخاری کے اس باب میں ذکر جہری کے ثبوت میں چار اور حدیثیں بھی نظر آئیں۔

لا الہ الا اللہ کہنا کفر؟ | اس کے بعد خواجہ مودودی نے فرمایا کہ شیخ افضل الہ آبادی کے سگے بھائی نے غازی پور سے شیخ افضل سے لکھ کر پوچھا کہ بعض فقہا کہتے ہیں کہ نماز کے بعد لا الہ الا اللہ، کا ذکر نا کفر ہے

انھوں نے جواب میں تحریر فرمایا کہ وہ کلمہ جس کے کہنے سے غیر مسلم مسلمان ہو جاتا ہے اس کا نماز کے بعد ذکر کرنا کفر ہو جائے، حیرت ہے! اس قسم کی باتوں سے توبہ کرنا چاہئے۔ اس کے بعد شیخ مودودی نے فرمایا کہ بعض جگہ لکھا دیکھا ہے کہ :۔

من قال لا اله الا اللہ بعد الصلوٰۃ کفر   نماز کے بعد جس نے لا الہ الا اللہ کہا اس نے کفر کیا۔
مطلب یہ لوگوں نے غور نہیں کیا اور فضولیات میں مبتلا ہو گئے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو گیا، کنز العباد کے مصنف نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے نماز کے بعد تین بار لا الہ الا اللہ بلند آواز سے کہا اس کے چار ہزار کبیرہ گناہ معاف ہو گئے۔ (ص ۲۳)

عیب پوشی ولایت کی پہچان | ..... اس کے بعد فخر برادران خواجہ محمد حسین نے (اللہ کرے وہ دونوں جہاں کے قطب ہو جائیں) فقیر (جامع ملفوظ خواجہ حسن) سے کہا "فلاں روز اس محفل سے جو سن کر میں گیا تھا اور آپ سے بیان کیا تھا اس کو سماعی ملفوظ میں آپ نے لکھ بھی دیا یا نہیں؟ خواجہ مودودی نے پوچھا "کیا بات تھی وہ؟" خواجہ حسین نے بتایا کہ حضور نے ایک بزرگ کا قول نقل فرمایا تھا کہ ولی کو دس علامتوں سے پہچاننا چاہئے جن میں سے ایک عیب پوشی ہے۔ خواجہ مودودی نے خواجہ حسین کی طرف گھور کر دیکھا اور فرمایا "بے شک عیب پوشی طریقۂ اولیاء اللہ کے لوازم و واجبات میں سے ہے۔ چنانچہ مشہور حدیث میں مذکور ہے کہ شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خرقہ عطا ہوا تھا اور اس کی اجازت دی گئی تھی کہ اپنے اصحاب میں سے اس کو عنایت فرمائیں جو بندگان خدا کے عیوب کی پردہ پوشی کا عہد کرے، معراج سے واپسی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اولین صحابہ اور سب سے پہلے تصدیق کرنے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ اگر میں یہ خرقہ تمہیں دوں تو تم کیا کرو گے؟ معدن صداقت و مخزن ولایت (حضرت ابوبکرؓ) نے عرض کیا تصدیق میں اور اضافہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا "اچھا اپنی جگہ بیٹھو" اس کے بعد نقطۂ دائرۂ عدالت و مرکز خطوط ولا و شجاعت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے یہی دریافت فرمایا انھوں نے عرض کیا۔ انصاف و عدل کی بلندیوں تک چڑھ جاؤں گا" فرمایا، اپنی جگہ بیٹھو، پھر یہی سوال

امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا۔ انھوں نے عرض کیا کہ شرم و حیا کے لباس کو اپنے جسم پر اور زیادہ وسیع کروں گا۔ آپ نے فرمایا، اچھا بیٹھو، اس کے بعد آپ نے اپنے ابن عم علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہ سے بھی دریافت فرمایا، انھوں نے عرض کیا "بندگان خدا کے عیبوں کی پردہ پوشی میں حد درجہ اصرار و مبالغہ کروں گا"۔ آپ نے فرمایا "خذ ھا ھی لک وانت لھا" (تم ہی اس خرقے کو لے لو، یہ تمہارے لئے اور تم اس کے لئے ہو)

ولی کی علامتیں | اس کے بعد خواجہ مودودی نے فرمایا کہ وہ بات جو اس دن میں نے کہی تھی یہ تھی کہ نفحات الانس میں ابو عبداللہ سالمی کے احوال میں لکھا ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ لوگوں کے درمیان کسی ولی کی کس طرح شناخت کی جائے۔ انھوں نے جواب دیا: لطافتِ زبان، حسنِ اخلاق، تازہ روئی دل کی فیاضی، نکتہ چینی کرنے سے پرہیز، عذر کرنے والے کی معذرت قبول کر لینا اور تمام اچھے برے لوگوں پر شفقت کرنا۔ اس کے بعد خواجۂ مودودی نے شناخت کی ان علامتوں میں اضافہ کیا اور فرمایا کہ بعض لوگوں نے خلائق کی پردہ پوشی، ہمیشہ حق کے ساتھ مشغولیت اور بدعتوں سے احتراز کو بھی ولی کی شناخت کی علامتوں میں قرار دیا ہے۔

صوفیا اور حدیث | اس کے بعد خواجۂ مودودی نے فرمایا" یہ حدیث (خرقہ والی) میں نے حدیث کی متداول کتابوں میں نہیں دیکھی ہے اور نہ علمائے ظاہر کی کسی کتاب میں ہے صوفیا کی بعض تصانیف اور رسائل میں ضرور دیکھی ہے"۔ اس کے بعد خواجۂ مودودی نے فرمایا "شیخ محی الدین ابن عربی نے فتوحات مکیہ میں کئی جگہ تحریر کیا ہے کہ بہت سی حدیثیں جو علمائے ظاہر کے کسی گروہ کے نزدیک بھی صحت و ثبوت کو نہیں پہنچی ہیں، صوفیا کے نزدیک صحیح ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ان کا صدور ثابت ہے اور بہت سی ایسی حدیثیں بھی ہیں جو علمائے ظاہر کے نزدیک صحیح، ثابت اور متصل الاسناد ہیں صوفیا کے نزدیک صحیح و ثابت نہیں ہیں بلکہ موضوع کے درجے سے بھی گری ہوئی ہیں، یہ تحقیق حضرات صوفیا، بالمشافہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کرتے ہیں اور صحت و عدم صحت کو براہ راست آپ سے دریافت کر لیتے ہیں۔ (ص ۱۶۴-۱۶۵)

تحمل وبردباری ۔۔۔۔ حاضرینِ محفل میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ مرزا محمد داؤد (مریدوں میں ایک صاحب) تو اب روزانہ ڈھائی سو رکعتوں تک نفل پڑھنے لگے ہیں۔ خواجہ مودودی نے فرمایا "ٹھیک ہے، لیکن ان میں کچھ غصہ وغضب ہے یہ بھی زائل ہوجائے تو بہت اچھا ہو"۔ اسکے بعد خواجہ مودودی نے فرمایا کہ سلسلہ عالیہ چشتیہ میں (اس سلسلے میں داخل ہونے والوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو) سراسر حلم، فروتنی اور عجز وانکسار ہے اور سوختہ دلی نیز ماسوا سے نفرت وخنگی بھی، یہی وجہ ہے کہ مشائخ چشت سراپا جمال ہیں نہ کہ صاحبِ جلال، ان میں جناب سید علی صابر کلیری کا استثنا رہے کہ وہ مجسم جلال تھے اور خاندان چشت کا سارا جلال ان کی ذات بابرکات میں آگیا تھا۔ یہ ان کی والدۂ ماجدہ کی غلطی سے ہوا نہ کہ ان کے شیخ اور ماموں حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے، اگر ایسا ہوتا تو حضرت گنج شکرؒ کی طرف یہ نقص لوٹتا کہ وہ سالک کی تربیت کے آداب سے کماحقہ واقف نہ تھے۔ جناب سید علی صابر کا معاملہ یوں ہوا کہ ان کی والدہ ماجدہ جو حضرت گنج شکرؒ (بابا فرید الملۃ والدین اجھودنی) کی ہمشیرہ تھیں۔ اپنے بیٹے کو بھائی کے پاس لائیں اور تلقین وتربیت کے لئے ان کے سپرد کر دیا، بابا صاحب نے تلقین وارشاد کے بعد چلہ کشی کا حکم دیا۔ وہ ایک پہاڑ کے دامن میں جاکر چلہ کش ہوگئے اور جب چالیس روز کے بعد چلہ سے باہر آئے تو ان میں پوری کیفیت پائی جاتی تھی۔ چلے کے دوران ان کی والدہ ماجدہ باباصاحب کی خدمت میں بار بار آتیں اور کہتی تھیں کہ میں نے اپنے بیٹے کو تربیت کے لئے آپ کے سپرد کیا تھا نہ کہ اس لئے کہ آپ اس کو تلف کر دیں۔ آپ نے اس کو ایسا گم کر دیا ہے کہ میں اس کے دیدار کو ترس گئی ہوں۔ حضرت باباصاحب فرماتے کہ ذرا صبر سے کام لو تمہارا بیٹا جلد ہی تمہارے پاس خوبیوں سے آراستہ پیراستہ آئے گا۔ جیسے ہی صاحبزادے چلے سے باہر آئے والدۂ ماجدہ نے ان کی نقاہت اور لاغری کو دیکھا جو کثرتِ ریاضت سے لاحق ہوئی تھی اور رونا شروع کر دیا۔ چلہ کشی کے دوران چونکہ جناب سید علی صابر نے کھانے پینے سے کوئی سروکار نہ رکھا تھا اس سے والدہ ماجدہ مامتا سے مجبور ہو کر مرغ کی یخنی

تیار کر کے ان کے لئے لائیں، بابا صاحب کو جوں ہی اطلاع ملی کہ صاحبزادے کے لئے مرغ کی یخنی بنی ہے فوراً کہلوایا کہ حیوانات کے قسم کی کوئی چیز نہ کھلائی جائے ورنہ غصہ وغضب کا جذبہ پیدا ہو جائے گا، اس اطلاع کے پہنچنے سے قبل ہی وہ صاحبزادے کو یخنی دے چکی تھیں اور اس کے پیتے ہی جلال اور غصہ کا جذبہ پوری طرح ان پر طاری ہوگیا اس لئے کہ اڑنے والے حیوانات میں مرغ بڑا جری اور شجاع اور غصہ ور ہوتا ہے اس کی صفت سے صاحبزادے موصوف ہوئے پھر تو یہاں ہوگیا کہ تمام کلیر کو تباہ کر دیا۔ صفحہ ۱۳۰ و صفحہ ۱۳۱

عرس کی اہمیت ...... دولت قدمبوسی سے سرفراز تھا۔ اتفاق آگاہ شاہ ابوالفتح مودودی بھی موجود تھے، انھوں نے زانے کی اجازت چاہی، خواجہ مودودی نے فرمایا کہ آج قطب فرد محتم اوادہ الحد شیخ محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ کا یوم عرس ہے۔ بہتر ہے کہ ان کے ہم مشرب اس جگہ شریک ہوں تو آپ بیٹھے ہوئے فاتحہ میں شرکت کریں تو مناسب ہوگا۔ اس کے بعد خواجہ مودودی نے فرمایا کہ ہمارے زمانہ میں بزرگوں کے فاتحہ کے دن کی بڑی اہمیت ہے۔ اس روز کھانا اور گانا بھی ضرور ہوتا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اہل وجد اور صاحبان حال کا اجتماع ہو جایا کرے تاکہ ہر ایک کو ارباب حال میں سے ایک درجہ اور ترقی ہو اور دوسرے حاضرین کو (جو ارباب حال میں سے نہیں ہیں) حسب حیثیت فائدہ ہو، دیکھو ایک لکڑی اگر جلائی جائے، تو مشکل سے جلتی ہے اور آنچ نہیں دیتی لیکن اگر کئی لکڑیاں جمع کر کے جلائی جائیں تو ایک دنیا کو پھونک دیں اور خشک و تر سب کو خاک کر دیں لیکن عرس کے چند شرائط ہیں جو اس زمانہ میں مفقود ہوگئے ہیں۔ اسی لئے یہ فقیر (خواجہ مودودی) اب ان امور (کھانا، گانا اور اجتماع) کا پابند نہیں رہا ہے۔ صرف فاتحہ پر قانع ہوگیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ قرآن اور سورۂ فاتحہ اور درود شریف پڑھ کر صاحب عرس کی روح کو بخشنا، اگر کھلانے کی کوئی چیز مل جائے تو بہتر ہے ورنہ ایک آب خورہ پانی ہی پر فاتحہ دے دیتا ہوں۔"

تاثر سیم بنگالہ سید محمد (اس کے بعد خواجہ مودودی نے فرمایا کہ "ہمارے پیروں میں حضرت شیخ

حسام الحق مانک پوری، عرس کے بڑے پابند تھے۔ ایک دفعہ کسی بزرگ کا فاتحہ تھا اور اس دن کچھ بھی پاس نہ تھا۔ گھبرائے کر دریا کی طرف گئے، کہ پانی لے آئیں، موروثی قوال، عرس کی خبر پاکر در دولت پر حاضر ہوئے۔ پتہ چلا کہ حضرت پانی لینے کے لئے دریا پر تشریف لے گئے ہیں۔ یہ بھی ان کے پیچھے دریا کی طرف چل دیئے جب دریا پر پہنچے دیکھا کہ حضرت گھڑا بھر کر سر پر رکھے واپس آرہے ہیں۔ قوالوں نے گانا شروع کر دیا اور آگے آگے چلنے لگے، حضرت پر وجد طاری ہوگیا اور وجد کرتے ہوئے خانقاہ کی طرف چلے۔ حضرت کا طریقہ تھا کہ صرف ایک لنگی اور ایک چادر استعمال کرتے تھے اور کوئی لباس بدن پر نہیں ہوتا تھا اسی حال میں خانقاہ کی طرف آرہے تھے، سید محمد، بنگال کی نظامت پر مامور ہوکر دہلی سے بنگال جارہے تھے۔ لاؤ لشکر بھی ان کے ساتھ تھا۔ وہ اسی مقام پر خیمہ زن تھے۔ انھوں نے سنا کہ ایک درویش اس حال میں رقص کناں وارہا ہے۔ تماشہ دیکھنے کے لئے شیخ کے پیچھے پیچھے روانہ ہوگئے راستہ میں کہیں شیخ کو نہیں پایا کسی واسطہ سنا کہ اسی حال میں شیخ اپنے گھر میں مشغول رقص ہیں، وہ شیخ کے گھر تک آگئے اور اسی حالت میں شیخ کو پایا کہ مصروف رقص ہیں ہنس پڑے، اسی وقت شیخ کی نظر ان پر پڑی اور وجد و رقص کی حالت میں ان کی طرف متوجہ ہوکر شیخ نے اپنے دونوں ہاتھ ان کے شانوں پر رکھے اور فرمایا "سید! ناچ دیکھنے آئے ہو؟" یہ سننا تھا کہ سید محمد (ناظم بنگالہ) نے کپڑے پھاڑ ڈالے اور ننگے بدن زمین پر گر پڑے، شیخ نے اپنی لنگی ان کے باندھی اور مٹی کے دانوں کی جو مالا اپنی گردن میں اس وقت ڈالے ہوئے تھے۔ اتار کر سید محمد کے گردن میں پہنا دی، شیخ کا معمول تھا کہ حالت وجد میں گلے میں مالا ڈال لیا کرتے تھے اس وقت اسے اتار کر سید محمد کو عطا فرما دی اور فرمایا کہ اسی حال میں اس کو اس کے لاؤ لشکر تک پہنچا دو قوال ان کو لئے خیمہ تک پہنچا آئے، انھوں نے امارت و ثروت کا سارا سامان جو ان کے ساتھ تھا لٹا دیا اور تہبند پوش ہوکر درویشی اختیار کرلی اور شیخ کی خدمت میں رہنے لگے۔ پھر تو ان کو جو ملنا تھا وہ ملا، چنانچہ ان کو خرقہ بھی نصیب ہوا۔ سید محمد کا مرقد ہنسوہ میں ہے جو صوبہ الہ آباد ضلع کوڑہ سے متعلق ہے جس کی زیارت کی جاتی ہے اور اس سے برکت حاصل ہوتی ہے۔

امیر خسرو اور شیخ علی حزیں .... (امیر خسرو دہلوی کی شاعری کی حد سے زیادہ تعریف و توصیف کے دوران) خواجہ مودودی نے فرمایا: " فقیر نے شیخ محمد علی حزیں سے خود سنا وہ کہتے تھے کہ خسرو کے کلام میں شاعری کی جو خوبیاں اور جو بدائع و غرائب شعریہ پائے جاتے ہیں وہ قدیم شعراء میں سے کسی میں نہیں پائے جاتے، خواہ وہ فردوسی ہو، نظامی گنجوی ہو یا اور کوئی شاعر ہو کسی میں یہ بات نہیں ہے جو خسرو میں ہے " صکا

مدرسہ ملا نظام الدین .... ایک دفعہ فقیر (جامع ملفوظ خواجہ حسن) زبدۃ العرفا ر (خواجہ مودودی) کی موجودگی میں ایک طالب علم کے ساتھ " غنا " کی حلت و حرمت کے مسئلے میں بحث میں الجھ گیا، طالب علم در پے جہالت ہونے لگا، زبدۃ العرفا ر نے فقیر سے مخاطب ہو کر فرمایا " چپ ہو جاؤ کہ جواب جاہلاں باشد خموشی " اس کے بعد اس محفل سے سبھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور یہ محفل حضرت ملا نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ (فرنگی محلی) کے مدرسہ میں ملا صاحب کے پوتے کی تقریب تسمیہ خوانی کے سلسلہ میں منعقد ہوئی تھی۔

جواب جاہلاں ؟ ایک روز جامع علوم منقول و معقول مولوی محمد مبین (فرنگی محلی) جو ملا نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کے عقیقی بھائی کے پوتے ہیں (ملا مبین فرنگی محلی ملا نظام الدین کے حقیقی بڑے بھائی ملا محمد سعید کے پر پوتے تھے، اس طرح :- ملا مبین ابن ملا محب اللہ بن ملا احمد عبدالحق بن ملا محمد سعید) زبدۃ العرفار (خواجہ مودودی) کی ملاقات کو تشریف لائے اور اسی محفل کا (جو مدرسہ ملا نظام الدین میں تقریب تسمیہ خوانی کی منعقد ہوئی تھی) ذکر چھڑ گیا، ملا مبین نے فرمایا کہ " جواب جاہلاں باشد خموشی " اس وقت جو آپ نے فرمایا تھا وہ انتہائی برمحل اور مناسب تھا، " خواجہ مودودی نے برجستہ جواب دیا کہ " اس کا یہ مطلب نہیں کہ جہل کی نسبت اس (طالب علم) کی طرف میں نے کی تھی، بلکہ اپنی طرف جہل کو منسوب کیا تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ جاہلوں کے لئے (کسی علمی بحث کے سلسلے میں) جو جواب سزاوار اور مناسب ہے وہ یہی ہے کہ خاموشی اختیار کر لیں اس لئے کہ جب جاہل کو علم نصیب نہیں ہے تو بہتر یہی ہے کہ وہ خاموش ہو جائے۔ مولوی محمد مبین سلمہ اللہ تعالیٰ نے

داد انصاف دیتے ہوئے فرمایا "یہ بالکل نئے معنی آپ نے کہے، خود شاعر کے ذہن میں بھی یہ مطلب نہ ہوگا" ([illegible] ۵)

خطبہ قبول کرنے والا [illegible] ...... [illegible] گفتگو میں خواجہ مودودی نے جامعِ علوم منقول و فنون معقول نواب حجت خان [illegible] ملا نظام الملتہ والدین لکھنوی کے پوتے مولوی [illegible] مولوی عبد [illegible] کے بارے میں کچھ سفارشی کلمے کہے اور فرمایا "جس طرح تمہارے [illegible] ملا نظام الملک شہید حافظ رحمت خاں بہادر رحمتہ اللہ سبحانہ کے بڑے حقوق ان کے مولوی محمد [illegible] کے والد ماجد حضرت مولوی عبد العلی سلمہ اللہ پر (ملا عبد العلی بحر العلوم فرنگی محلی پر) ہیں اسی طرح ان [illegible] ملا بحر العلوم [illegible] حقوق بھی تم پر ثابت ہیں۔ بلکہ ان سے زیادہ اور بلند درجے کے ہیں [illegible] لوگوں سے جو فوائد حاصل ہوئے وہ محض دنیاوی تھے [illegible] ملا بحر العلوم سے جو فوائد تم سب کو حاصل ہوئے وہ دینی ہیں، یعنی وہ فوائد جو استاد کی تدریس [illegible] اور دینی علوم کی تعلیم سے تم کو حاصل ہوئے اور دینی علوم سے وابستگی کے نتیجے میں [illegible] تم کو نصیب ہوئیں، یعنی ان نیکیوں اور اچھائیوں پر اللہ تعالیٰ سے جو اجر و ثواب [illegible] استاد کے سبب سے ہے۔ اس طرح استاد کے حقوق بدرجہا بلند اور فوق ہیں بہ نسبت [illegible] دنیاوی فائدے کے جو استاد کو (مالی شکل میں) پہنچتا ہے۔ بے شک! ان لوگوں کی طرف سے ان کی (بحر العلوم کی) جو خدمتیں ہوئیں ان سے بھی دینی اور آخروی فوائد حاصل [illegible] امرا و رؤسا علما کی جو خدمتیں کرتے ہیں وہ علما و فضلا کی پریشان حالی رفع کرنے کا سبب ہو جاتی ہیں جو علما [illegible] بے فکر ہو کر [illegible] دینی علوم پھیلانے میں منہمک ہو جاتے ہیں [illegible] خطبہ قبول کرنے والے کا حق دینے والے پر اس سے زیادہ ہوتا ہے جتنا دینے والے کا حق لینے والے پر ہوتا ہے۔ حاضرینِ محفل میں سے کسی نے دریافت کیا کہ یہ کیسے کہ معطی (دینے والا) پر آخذ (قبول کرنے والا) کا حق زیادہ ہوتا ہے؟ خواجہ مودودی نے فرمایا "لینے والا، دینے والے سے ثواب لیتا ہے جیسا کہ حدیث میں لکھا ہوا ہے، دینے والا

ہے د

ساتے زیادہ اور کوئی حیثیت نہیں رکھتا کہ وہ آخذ (لینے والے) کے حصہ کا امانت دار ہے، آخذ نے معطی سے اپنا حصہ لے کر، اس کو بارِ امانت سے سبکدوش کر دیا۔ اب معطی اس سے بے خوف ہو گیا کہ کہیں یہ امانت کسی اور کو نہ دے بیٹھے یا کسی اور مصرف میں صرف نہ کر ڈالے۔ اگر کہیں ایسا اس سے سرزد ہو جاتا تو اس کے حق میں بہتر نہ ہوتا، تو اس طرح آخذ نے معطی سے اپنی امانت لے کر اس کو زیرِ بارِ احسان کر دیا۔ آخذ نے معطی سے وہی لیا جو اس کے نصیب میں لکھا تھا اس سے زیادہ نہیں لیا، لیکن آخذ نے اپنا حصۂ نصیب چونکہ معطی کے واسطے سے پایا اس لئے معطی کو دنیا میں نیک نام ہونے کا اور آخرت میں ثواب حاصل کرنے کا موقعہ آخذ نے فراہم کر دیا۔ معطی نے چند ٹکوں سے زیادہ نہیں دیا مگر اس کے مقابلے میں جتنی نیک نامی اور ثواب کمایا اس کے دیکھتے اس عطیہ کی کوئی حقیقت اور حیثیت نہیں، اس کے علاوہ آخذ نے عطیہ لے کر (دنیا کی نظروں میں) خود کو ذلیل کیا اور آخذ کی ذات سے معطی کی عزت بڑھی، تو گویا یہ عزت افزائی بھی آخذ کا معطی پر احسان ہوئی"۔

<u>ہندی مثل کی تشریح</u> : اسی گفتگو کے سلسلہ میں ایک صاحب نے کہا "ہندی زبان کی مشہور مثل ہے" "داتا کے تین گن، دیوے بھی، نہ بھی دیوے، دے کر چھین لیوے" علاء الدین خاں نے احاضرین میں سے ایک صاحب نے کہا "صفت تو دینا ہے بس، نہ کہ نہ دینا یا دے کر لے لینا"۔ خواجہ مودودی نے فرمایا "اس ہندی مثل کے وہ معنی نہیں ہیں جو لوگ سمجھ رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ دینے والے کے پاس جو ہے دے، وہ دے دیتا ہے، دینے کے بعد وہ طعنہ نہیں دیتا اور احسان نہیں جتاتا، ایسا کرنا دینے کی فضیلت کو باطل کر دیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ولا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذی (احسان رکھ کر یاد کر کے ایذا پہنچا کر اپنے دینے کے فعل کو باطل نہ کرو) اب یہ جو ہے کہ دے کر چھین لیوے، اس کا مطلب یہ ہے کہ آخذ (لینے والے) کی حاجت۔ وہ لے لیتا ہے، اس کو جو دیتا ہے اس کے نتیجے میں لینے والے کی احتیاج باقی نہیں رہتی" ص ۲۳-۲۴-۲۵۔

<u>سالک، مسافر، مجذوب</u> .... اس کے بعد فقیر (جامع ملفوظ خواجہ حسن) نے عرض کیا کہ اس قصبہ (یعنی لکھنو) کے باہر جو عورت ویرانے میں رہتی ہے وہ حالت سکر میں ہے یا مجذوبہ